

تبصرے

عربی کا نعتیہ کلام، از ڈاکٹر عبداللہ عباسی ندوی، تقطیع متوسط، ضخامت ۱۹۶ صفحات
کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد -/ 1۵ روپے، پتہ: مکتبہ اسلام، نمبر ۳۴، گوئن ٹرڈ
لکھنؤ۔

اس کتاب میں عربی میں نعت گوئی کی تاریخ اور اس کے سرمایہ کا مختصر جائزہ لینے کے
بعد عربی کے مشہور نعت گو شاعروں اور ان کے نعتیہ کلام کا تعارف کرایا گیا ہے۔ نعتوں کے
منتخب اشعار اور دو ترجموں کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ فاضل مؤلف عربی اور اردو دونوں
زبانوں کے مسلم ادیب ہونے کے علاوہ ایک سربراہ آردہ خاندان صوفیائے چشم و چراغ
ہیں اس لیے اس موضوع پر لکھنے کا حق ان سے زیادہ کسی اور کو کیا ہو سکتا تھا۔ عربی میں کعب
بن زہیر کا قصیدہ بردہ جو بانٹ سعاد کے نام سے مشہور ہے اور شیخ ابو مہری کا قصیدہ بردہ
نعت گوئی کے تمام سرمایہ میں گل سرسب کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی طرح حضرت حسان بن
نابت جن کا دیوان یورپ میں طبع ہو گیا ہے اور بارنبوی کے مشہور شاعر ہیں اور سب سے بڑی بات
یہ ہے کہ ان تینوں شاعروں کو اپنے اپنے کلام کی پذیرائی و مقبولیت کی سند خود بارگاہ قدس
نبوی سے عطا ہوئی ہے اس بنا پر فاضل مؤلف نے ان تینوں حضرات اور ان کی نعتوں کا تاریخی
ادبی اور تنقیدی حیثیت سے مفصل جائزہ لیا ہے جو عربی زبان و ادب کے طلباء کے لیے بہت

مفید ہوگا، ایک عام خیال یہ ہے کہ فارسی اور اردو کی نعتوں میں جو جوش و خروش اور زور بیان و کلام ہے وہ عربی نعتوں میں نہیں ہے اور خود مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے فاضلانہ مقدمہ میں اس خیال کا اظہار کیا ہے (ص ۱۱) پھر جہاں تک عربی نعتوں کا تعلق ہے ان میں بھی فاضل مؤلف کے لفظوں میں یہ فرق ہے کہ ”بظاہر صحابہ کرام کے کلام میں اتنا جوش و خروش نہیں ہے جو بعد کے لوگوں میں دیکھا جاتا ہے“ اب سوال یہ ہے کہ یہ بہت عجیب و غریب بات ہے اور ایسا کیوں ہے؟ ڈاکٹر عبداللہ عباسی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ”لیکن یہ بات آپ کو اس وقت بے حقیقت نظر آئے گی جب آپ سیرت امدتاریخ کی کتابوں میں یہ دیکھیں گے کہ صحابہ کرام نے اپنی دسوزی اور فنایت کا اظہار عمل سے کیا تھا، بعد کے لوگوں نے اپنے قول سے کیا“ (ص ۹۹) اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ صحابہ کرام کی دالہا نہ عشق و محبت اور مجزانا نہ زلیفتگی و دارفتگی کے چند نمایاں واقعات کا ذکر کر کے لکھا ہے: عصر اول میں جو نعتیں کہی گئیں وہ ایک اہم فردت اور دین کی نصرت کے لیے وقت اور ماحول کے پیش نظر ایک فرض دینی سمجھ کر لکھی گئی تھیں، ان کا مقصد بھی قصیدہ خوانی برائے اظہار تعلق نہ تھا۔ آخری صدیوں میں جب مسلمانوں کا انحطاط اس درجہ پہنچ گیا کہ اہل تعلق کے سامنے نہ جہاد کی مصروفیت رہی اور نہ کتاب و سنت کی قابل ذکر خدمت کا کام رہ گیا تو ان کے جذبہ اظہارِ حب نبوی کا ذریعہ صرف شعورہ گیا“ (ص ۱۰۲) ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہے، لیکن ہمارے نزدیک اس فرق کی بنیادی وجہیں دو ہیں: ایک وجہ تو وہ فرق ہے جو عربی شاعری اور عجمی شاعری میں ہے، عرب شاعر حقیقت پسند ہوتا ہے، وہ اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ اس کے دلی تاثرات پیکرِ مصوسات میں چلتے پھرتے نظر آنے لگتے ہیں اور درحقیقت یہی اس کا شاعرانہ کمال ہے، وہ کسی کی مدح یا عشق و محبت کی کیفیات کے اظہار میں اغراق (جو مبالغہ کی انتہائی قسم ہے) سے کام لے کر کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو ان ہونی ہو اور جو دم و گمان سے بھی ماوراء ہو، عرب شاعری کا یہی وہ وصف

ہے جو اس میں تاثیر کا ضامن ہے، اس کے برخلاف عجمی شاعری میں حد سے زیادہ مبالغہ ہو تلہے اور اس میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔ ایسے اشعار سے ذہنی التذاذ تو حاصل ہو سکتا ہے، لیکن قلب پر تیر و نشتر کا کام نہیں کر سکتے، عربی شاعری بنی امیہ کے دور تک اپنے اصل رنگ و روپ میں رہی، لیکن عہد ہندی عباس میں ایرانیوں کے ساتھ حد سے زیادہ خلط ملط کے باعث عربی شاعری پر ایرانی اثرات کا غلبہ ہونے لگا اور دور از کار مبالغہ آرائی نے اس کا حقیقی رنگ بگاڑ دیا۔ اس کی بہترین مثال تنبہی کا دیوان ہے جو عاشق کی لاغری کو بیان کرتا ہے تو کہتا ہے:

وَلَوْ قَلَمٌ أَلْفَيْتُ فِي شَقِّ رَأْسِهِ مِنْ الشَّقِّ مَا عَيَّرْتُ مِنْ حَطِّ كَاتِبٍ

یعنی میں اس درجہ لاغر ہو گیا ہوں کہ اگر مجھ کو قلم کے سر کے شگاف میں رکھ دیا جائے تو لکھنے والے کی تحریر میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا۔ بس یہی فرق صحابہ کرام کی نعمتوں اور بعد کے عربی شاعروں کی نعمتوں میں ہے، صحابہ کرام اصل عربی شاعری کے مزاج اور اس کی طبیعت کے حامل اور پاسدار تھے اور بعد کے شاعروں پر ایرانی اور عجمی رنگ غالب تھا۔ ایک کا رنگ اصلی اور حقیقی تھا اور دوسرا رنگ مصنوعی اور بناوٹی۔ مولانا شبلی نے اپنے مقالہ "شعر العرب" میں تقابلی اشعار نقل کر کے عربی اور عجمی شاعری کے اس بنیادی فرق کو نہایت مفصل طور پر واضح کیا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے اسلامی تعلیمات کے پیکر تھے، انہیں معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **إِنَّ الْبَعْضَ كَمَا رَأَى التَّرْتَابُونَ، الْمُتَفَيِّحُونَ الْمُتَشَدِّقُونَ۔**

ترجمہ: میرے نزدیک سب سے بڑے وہ لوگ ہیں جو چرب زبان ہیں۔ بڑھ بڑھ کے باتیں کرتے ہیں اور باجمیں اور نتھنے پھلا کھلا کر کلام کرتے ہیں، اس بنا پر جو منقہ صحابہ کرام کو حضور کے ساتھ تھا وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے باوجود اپنی محبت اور عشق کے ظہار میں وہ توازن، اعتدال و احتیاط کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے،

ان کو یقین تھا کہ حضورؐ کی تعریف قرآن سے زیادہ نہیں ہو سکتی اس لیے اپنی نعمتوں کو قرآن کے مضامین تک محدود رکھتے تھے، کعب بن زہیر نے جب حضورؐ کی مدح میں یہ شعر پڑھا

إِنَّ الْمَسْئُولَ لَمَوْءٍ يَسْتَضَاءُ بِهِ وَصَارَ مِنْ سَيِّدِي الْهَيْدِ مَسْئُولُ

ترجمہ: ”حضورؐ بے شبہ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ ایک بہترین کشیدہ تلوار ہیں یہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک انار کہ کعب بن زہیر کو ہیرہ فرمادی۔ ایک شکر کی داد اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے، لیکن غور کیجیے، اس شعر میں شاعر نے جو کچھ کہا ہے اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہے اور قرآن میں جو کچھ حضورؐ کی نسبت فرمایا گیا ہے شاعر نے سراسر اس سے تجاوز نہیں کیا ہے، اس بنا پر اس شعر میں صداقت بھی ہے اور خلوص بھی اور قلب پر اس کا اثر بھی ہوتا ہے لیکن بعد کے دور میں جب مبالغہ آرائی شاعری کا عام چلن ہو گئی تو رفتہ رفتہ عالم یہ ہو گیا کہ کسی پیر فقیر کی مدح لکھنے پر آئے تو اسے پیغمبر سے بڑھا دیا اور پیغمبر کی مدح سرائی شروع کی تو اسے عرش پر خدا کا تہنیشن بنا دیا۔ ایسی شاعری لذت کام و دہن کا سامان تو کر سکتی ہے دلوں میں آگ نہیں لگا سکتی ہزار اس قسم کے اشعار پڑھے جن میں احمد اور احد میں صرف ایک میم کا پردہ حائل بتایا گیا ہے۔ دل پر ان کا اثر خاک نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر! پڑھیے تو احساس و شعور کے تار لرغش ہو جاتے ہیں۔ (رس)

سیرت المصطفیٰ، صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد ادریس کاندھلوی: تین جلدیں اردو میں: قیمت مجلد ۱/۱۱۵

غیر مجلد - ۹۵/ : سیرت پاک بظلمت تالیف: ہندوستان میں پہلی بار آفٹ پریس کرانی

عنی ہے۔ ظاہری دماغی خوبیوں سے مزین: فیجر مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی ۶